ابلاغیات: سائنس بھی ہے اور آرٹ بھی

تحریر: سہیل احمد لون

انسان کو لکھنے، پڑھنے اور ہمیشہ سیکھنے کی جستجو ہی اسے حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے۔غار سے نکل کر انسان نے پتھر، لوہے اور دھات کا زمانہ گزرنے کے بعد زرعی انقلاب برپا کیا جو صنعتی انقلاب کی اگلی جست ثابت ہوئی۔اس کے بعد سائنس ٹیکنالوجی میں برق رفتاری سے سفر طے کرتا ہوا انسان کمپیوٹر کے دور میں داخل ہو چکا ہے۔سائنس ٹیکنالوجی کے اس ڈیجیٹل دور میں میڈیا کو نہایت اہم مقام حاصل ہے۔کبھی جنگیں بازو کی طاقت اور شمشیر سے لڑی جاتیں تھیں مگر اب میڈیا وار کا دور ہے۔ابلاغیات کے اس دور میں عوام الناس کی سوچ اور نظریات کو میڈیا کے ذریعے تبدیل کیا جاتا ہے۔میڈیا کا بنیادی کام عوام الناس کو انٹرٹیمنٹ، انفارمیشن اور ایجوکیشن مہیا کرنا ہوتا ہے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ میڈیا غیر جانبدار ہو کر حقائق سامنے لائے گا مگر اکثر ایسا ہوتا نہیں۔جہاں ملکی مفاد اور قومی سلامتی کی بات ہو وہاں نیوز ایجنڈا غیر جانبدار رپورٹنگ نہیں کرتا۔اگر کوئی بات ملکی مفاد اور قومی سلامتی کے منافی ہو تو اسے منظر عام پر لانے سے اجتناب برتا جاتا ہے۔مٹھی بھر یہودیوں نے علم و ہنر میں ایسے کمالات دکھائے ہیں کہ موجودہ دور کی بیشتر ایجادات انہیں کی مرہون منت ہیں۔یہ بات بھی کھلی حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام بڑے میڈیا ہاؤسز یہودی کنٹرول کر رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ غزہ میں ہونے والا ظلم ہو یا دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر وسائل پر قبضہ کرنے کی چال کبھی اس طرح رپورٹ نہیں کیے جاتے جیسے کسی برٹش مسلمان کا شام میں ''جہاد گردی'' کرنے کا نشر کیا جاتا ہے۔میڈیا پر ایسا ''سچ'' جس سے ملکی مفاد یا قومی سلامتی کو خطرہ ہو اسے منظر عام پر لانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔جس کی مثال ایڈورڈ سنوڈن اور جولین اسانج ہیں جو حقائق اور سچ دنیا کے سامنے لائے جس کے بعد ان کی زندگی ایک چار دیواری تک محدود ہو کر رہ گئی۔آزادی رائے اور جرات اظہار کی قیمت ان کی اپنی آزادی کے عوض ادا کرنا پڑ رہی ہے۔

مادر جمہوریت برطانیہ میں جرائم کی شرح تشویش ناک حد تک بڑھ چکی ہے، جیلوں میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے حکومت اس بات پر بھی غور کر رہی ہے کہ غیر ملکی مجرموں کو ملک بدر کر کے ان کے ممالک کے حوالے کر دیا جائے تا کہ جیلوں سے کسی حد تک لوڈ کم ہو سکے۔کسی بڑے سپر سٹور پر سالانہ (stock lost) ایک ملین پاؤنڈ سے تجاوز کر جاتا ہے جس میں زیادہ تر چوری کیا جاتا ہے۔ہر جگہ سی سی ٹی وی کیمرے نصب ہونے کے باوجود ہر لمحے شاپ لفٹنگ ہو رہی ہے، اگر کوئی رنگے ہاتھوں پکڑا بھی جائے تو پولیس موقع پر 80 پاؤنڈ جرمانہ کر دیتی ہے، اگر چوری کرنے والے کا سابقہ ریکارڈ اچھا ہو تو اسے caution دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے علاوہ بہت سے سٹریٹ کرائمز اور فراڈ کے کیسز بھی ہوتے ہیں مگر میڈیا میں صرف منفی خبروں کی تشہیر کر کے ملک کی صرف بگڑی ہوئی صورت دکھانے کی بجائے مثبت خبریں دکھانے پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔کوئی نیوز چینل لگا کر دیکھ لیں یا کسی برطانوی اخبار کا مطالعہ کر لیں اس میں ایک خاص بیلنس نظر آئے گا ۔عدلیہ اور حساس اداروں کے متعلق آزادی اظہار کی جرات کرنے کا رواج نہیں۔میڈیا کے قوانین اور ethics بنائے گئے ہیں جس پر عمل کرنا صحافی کا فرض ہے۔وطن عزیز میں میڈیا بہت تیزی سے پھیل رہا ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نجی چینلز کی

سینچری مکمل ہوچکی ہے۔اگر کہیں کوئی راہ گیر مین ہول کا ڈھکن نہ ہونے کی وجہ سے گٹر میں گر جائے تو ریسکیو ٹیم بعد میں ایک درجن سے زائد DSNG گاڑیاں سب سے پہلے ''بریکنگ نیوز'' کے چکر میں گٹر کے براہ راست مناظر دکھانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔کسی سانحہ میں اگر کسی کا عزیز ہلاک ہوجائے تو اس کے لواحقین سے ایسے سولات کیے جارہے ہوتے ہیں جس سے صحافت شرمسار ہورہی ہوتی ہے۔اگر کسی سے جنسی زیادتی ہوتی ہے تو مجرم کی شکل پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور مظلوم کی شناخت چھپانے کی بجائے اس کا آنسوؤں بھرا چہرہ محض 'خبر کی حد بڑھانے'' کے لیے نشر کیا جاتا ہے۔ہم نے چینلز اور اخبارات کی تعداد میں تو اضافہ کرلیا ہے مگر صحافتی معیار اور قدروں کا گراف تنزلی کا شکار ہے۔وطن عزیز میں جیسے پارلیمنٹ ہاؤس میں تعلیمی پس منظر کی کوئی اہمیت نہیں اسی طرح صحافی بننے کے لیے بھی جرنلزم یا ابلاغیات کی ڈگری کا ہونا ضروری نہیں۔اگر کسی کے پاس ڈگری ہے بھی تو بدقسمتی سے ہمارا تعلمی معیار اتنا پست ہے کہ صحافت یا ابلاغیات میں ماسٹر ڈگری کرنے کے باوجود فیلڈ میں کام کرنے کا طریق نہیں جانتا۔ ہمارا نصاب جدید صحافت کے عین مطابق نہیں، طالب علم کو صرف کتابوں سے رٹا لگا کر تین گھنٹوں میں سوالات کے جوابات لکھنے کو کہہ دیا جاتا ہے۔اگر طالب علم کو یونیورسٹی کی طرف سے کیمرہ دے کر فیلڈ میں بھیجا جائے، کاپی پنسل دے کر مجسٹریٹ کورٹ، ہائی کورٹ، سپریم کورٹ کا چکر لگوایا جائے، پارلیمنٹ ہاؤس اور صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس کی کارروائی براہ راست دیکھنے کے انتظامات یونیورسٹی کی ذمہ داری ہونی چاہیے، پبلک ایڈمنسٹریشن کا نیٹ ورک کس طرح سے کام کرتا ہے اس کو عملی طور کر دکھانے کے لیے مختلف سرکاری دفاتر کی وزٹ کروانا پھر طالب علموں اس نظام پر کچھ مخصوص وقت میں مقرر کردہ حروف میں رپوٹ لکھنے کا ٹاسک دیا جائے، ورک پلیس منٹ کے لیے کسی میڈیا ہاؤس میں چند ہفتے کام کرنا نصاب اور اسائن منٹ کا حصہ بنایا جائے، ڈیٹا جرنلزم اور ڈیجیٹل میڈیا میں ان کو عملی طور پر کچھ سکھایا جائے۔مختلف اقسام کی رپورٹنگ، نیوز روم پروڈکشن، براڈ کاسٹنگ، مختلف اقسام کے انٹرویو کے بنیادی اصول سکھانے کے لیے صرف کتاب تک ہی محدود نہ کیا جائے بلکہ ان کو ایسی اسائنمنٹ دی جائیں جس سے ان کو لائبریری جا کر مختلف کتابیں پڑھنے اور انٹرنیٹ سے ریسرچ کر کے اپنی سٹوری یا فیچر کو بیک کرنے کا فن بھی آئے۔صحافت اور ابلاغیات کے طالب علموں کو آرٹیکل، فیچر اور بلاگ لکھنے کا پابند بنایا جائے اگر ان کی تحریریں کسی جریدے میں شائع نہ بھی ہوسکیں تو وہ اپنی ویب سائٹ اور سوشل میڈیا پر تشہیر کر کے عوامی ردعمل سے اس میں بہتری لانے کی کوشش بھی کرے گا اور ڈگری حاصل کرنے تک اس کے پروفائل میں اتنا مواد ضرور شامل ہوسکتا ہے کہ اس کی CV کسی بھی میڈیا ہاؤس کو متاثر کر کے اس کے لیے روزی کے دروزے کھول دے۔Jeremy Paxman، Andrew Marr، Günther Jauch، Larry King، جیسے صحافیوں کے ساتھ کبھی سینئر صحافی یا سینئر اینکر پرسن یا سینئر تجزیہ نگار کا لفظ نہیں لکھا جاتا حالانکہ ان لوگوں کی صحافتی سرگرمیاں نصاب کا حصہ ہیں مگر وطن عزیز میں صحافی ابلاغیات اور صحافتی میدان میں بالغ ہونے سے قبل ہی ''سینئر'' بن جاتا ہے۔میں نے خواجہ جمشید کی ایک تحریک میں پڑھا تھا کہ :سکرین کیسے چلے گی یہ سائنس ہے اور سکرین پر کیا چلے گا یہ آرٹ ہے''۔برطانیہ میں رہتے ہوئے یہاں کے اعلی ترین اداروں میں ابلاغیات کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ تعریف انتہائی معتبر ہے۔صحافی کو سائنس اور آرٹ کا مجموعہ ہونا چاہیے اور اُس کی جمالیاتی حس اتنی خوبصورت اور حساس ہونے چاہیے کہ اُسے تاروں کے چلنے کی آواز بھی آئے اور اسے بیان کرنے کا اسلوب

بھی۔میڈیا کی جنگ جیتنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم صحافت اور ابلاغیات کو بالغ ہونے دیں۔اپنے نصاب کو جدید قدروں سے استوار کریں،صحافت اور ابلاغیات کے طالب علموں سمیت ''سینئر اور جونیئر'' صحافیوں کے لیے میڈیا مالکان کی طرف سے ورکشاپس اور شارٹ کورسز کا انتظام کیا جائے تا کہ ''میڈیا وار'' میں ہم جدید مہارت اور ہنر سے ایسے ہی لیس ہوں جیسے ہماری مسلح افواج وقت کے ساتھ ساتھ اپنے دفاعی نظام اور تربیت کو ڈھالتی رہتی ہے۔

مجھے اس بات پر ہمیشہ حیرت رہی ہے کہ پاکستان میں میڈیا کی جاب چند لوگوں کیلئے سامان آسائش' چند لوگوں کیلئے سہولتوں کی فراہمی اور چند لوگوں کو سنسنی پھیلنے کے عوض بھاری معاوضوں پر دی جاتی ہے لیکن ایک بہت بڑی تعداد جو اپنے آپکو صحافی بھی کہلاتے ہیں اور شاید ہوں بھی میڈیا ہاوسز میں نہیں بیگار کیمپس میں زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔صحافت ایک معزز پیشہ ہے جو معززین کیلئے ہی ہونا چاہیے لیکن جہاں معزز انسان کی اپنی دن رات کی محنت کا معاوضہ خطرے میں ہو وہاں صحافت کی گلی بھی جرائم کے بازار میں جا کر کھلتی ہے اور پھر دیکھتے دیکھتے سارا معاشرے کا وہ گند جو گلی محلوں میں بکھرا ہوتا ہے اور اُسے وہیں صاف ہونا چاہیے میڈیا کے زریعے سارے ملک میں پھیل جاتا ہے۔معاشی رشتے سب سے مضبوط رشتے ہوتے ہیں لیکن اگر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اپنے کام میں مکمل باہنر ہونے کے بعد بھی آپ کا ہنر آپ کا رزق پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا ایسے نظام کے جبر کا شکار ہو جاتا ہے جہاں آپکی صلاحیتوں کو انتہائی سستے داموں خریدا جاتا ہے کہ جس سے آپکی ضرورتیں بھی پوری نہ ہو سکیں تو پھر محلے میں جواء کروانے' چرس بیچنے والے' جسم فروشی کروانے والے' ملک دشمنی کرنے والے اور صحافی میں کوئی فرق نہیں رہتا کہ جب غیر تعلیم یافتہ ذہن جرم کرتا ہے تو آسانی سے گرفت میں آجاتا ہے لیکن جو ابلاغ کے تمام زرائع سے واقف ہو اُس کا جرم پکڑنا کبھی مشکل اور کبھی ناممکن ہو جاتا ہے۔دنیا بھر کے مظالم کے خلاف لکھنے والے جب خود ظلم کا شکار ہوتے ہیں تو پھر معاشرے میں کیا تقسیم ہو گا اُسے میں تو کم از کم ابلاغیات نہیں لکھ سکتا۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

09-08-2015